© rasailojaraid.com

بدر الدین

شاہ ولی اللہ کا تصور اخلاقیات

انسان مدنی الطبع ہے۔ وہ اپنے طریق بود و باش، معاملات اور افکار میں اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور ماحول بذات خود افراد کے ذہنی رجحانات کی پیداوار ہوتا ہے۔ یہی رجحانات اس کے کردار کی تشکیل کا باعث بنتے ہیں۔ اگر رجحانات اچھے ہیں تو کردار بھی اچھا، اگر رجحانات برے ہیں تو کردار بھی برا۔ انسان کے کردار کی تصویر اس کے اعمال ہوتے ہیں اور اعمال اچھا برا ماحول پیدا کرتے ہیں جن سے ایک معاشرے کے افراد کسی نہ کسی صورت میں متاثر ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانی کردار ہی کسی اچھے یا برے معاشرے کی تشکیل کی بنیاد بنتا ہے۔ انسان کے کردار کی ہر دور میں جانچ پڑتال ہوتی ہے اور اس کے اچھے اور برے اعمال اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا جائزہ ہمیشہ لیا جاتا رہا ہے۔ مصلحین اپنی تعلیمات میں اسے اساسی حیثیت دیتے ہیں۔ علماء اس کے مختلف مسائل اور الجھنوں کا تجزیہ کرتے رہے ہیں۔ اس طرح وہ علم جسے ہم اخلاقیات کہتے ہیں، انسانی معاشرے کی تاریخ کے ابتدائی دور ہی سے کسی نہ کسی صورت میں زیر بحث رہا ہے۔

یونانی فلاسفہ کے ابتدائی دور میں اس علم کی نظریاتی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں جن کا ماخذ ان فلاسفہ کے مابعدالطبعیاتی افکار ہوتے ہیں۔ ہرقیلتوس جس کے نزدیک یہ کائنات آگ کی پیداوار ہے، رواقیت کا بانی ہے۔ اسی طرح دیمقراطیس اپنے مخصوص مابعدالطبعیاتی نظریات کی وجہ سے لذتیت کا بانی بن گیا۔ اس طرح یونانی فلاسفہ کے افکار اخلاقیات کے مختلف مذاہب کا روپ دھارنے لگے۔

انسانی کردار کیا ہے؟ اس سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں ان کے عوامل کیا ہیں؟ نیکی یا بدی کیا ہے؟ خیر و شر کیوں ضروری ہے؟ انسان کی حقیقی مسرت یا خوشی کا راز کس بات میں پوشیدہ ہے؟ کردار کی تشکیل کے لئے کن جوہروں کا ہونا ناگزیر ہے؟ غرض یہ کہ ایسے اور بہت سے سوالات کا حل ڈھونڈنے کے لئے یونانی مفکرین نے جو سوچنا شروع کیا جس سے اخلاقیات نے بعد میں معیاری علم کی صورت اختیار کی۔ ہرقلیتوس اور دیمقراطیس کے بعد پرمانیدس اور فیثاغورث نے ان سوالات کے مختلف پہلوؤں پر اپنی آراء کا اظہار کیا جنہیں بعد میں ان کے شاگردوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف نظریات کا جامہ پہنادیا۔ بعد میں انہی کی روشنی میں سوفسطائیہ نے اخلاقیات کے مختلف مسائل کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو کے نظریات نے اس علم کو اور بھی وسیع کردیا جس کی وجہ سے سینکڑوں نظریات معرض وجود میں آئے جنہیں دو بڑے مکاتب فکر کلبیہ اور سیرینہ کی مختلف شاخیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ اخلاقیات کی تاریخ میں ان دونوں مکاتب فکر کے نظریات کی جھلک ہر دور میں نظر آتی ہے۔ کلبیہ کو جسے رواقیت بھی کہا جاسکتا ہے راہبوں، جوگیوں اور فقیروں نے اپنالیا جن کے نزدیک اخلاقیات اور اس کے مسائل وجدان اور روحانی تعلیمات کے مطابق حل ہوتے ہیں۔ انسانی کردار کی تشکیل اور روحانی سکون اس مکتب فکر کے نزدیک مذہبی عبادات و ریاضات کو اپنانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک حقیقی مسرت روح کی پاکیزگی کا نام ہے۔ سیرینہ مکتب فکر کو جسے ابقوریت بھی کہا جاتا ہے، ان لوگوں نے اپنایا جو سقراط کے نظریہ لذتیت وتمتع کے قائل تھے۔ پھر ایک دور ایسا بھی آیا جس میں اخلاقیات میں نئے مسائل کے تجزیہ کے بجائے پرانی ڈگر پر چلنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ اپیکوری دارتیابی اور دوسرے مذاہب ارسطو کی کتاب ''کتاب الاخلاق'' اور افلاطون کے ''فلسفہ تصوریت'' کو ہی کافی خیال کرنے لگے۔ مسلم

دور البتہ اس علم کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے جس میں یعقوب الکندی، غزالی، ابن مسکویہ اور دیگر علماء نے کافی کام کیا۔

اخلاقیات کے فلسفہ جدید کے بانیوں میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام سرفہرست لکھا جاسکتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شاہ صاحب افراط وتفریط سے ہٹ کر اخلاقیات کے مسائل کا ایسا حل پیش کرتے ہیں جس سے انسانی کردار کی تشکیل میں روحانی اور مادی دونوں عنصر شامل ہوجاتے ہیں۔ روحانی سے مراد مذہبی اقدار کی راسخیت اور مادی سے مراد فطرت طبعیہ کی روشنی میں انسانی کردار کے تکمل کا اہتمام ہے۔ وہ عوامل جو کردار کی تشکیل میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں، شاہ صاحب کی اصطلاح میں ''اخلاق فاضلہ'' کہلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر وہ عمل جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرے اور ترقی وتکمل کی نشاندہی کرے، اخلاق فاضلہ میں شمار ہوتا ہے۔

انسانی جبلتیں

اس سے پہلے کہ اخلاق فاضلہ پر گفتگو ہو، شاہ صاحب کی تعریف بذات خود تشریح طلب ہے جس کا انحصار ان کے بیان کردہ بہت سے اخلاقیات کے مسائل سے ہے۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ اخلاق فاضلہ فی الحقیقت بنیادی طور پر انسانی جبلتوں ہی کی ارتقائی اور مکمل صورت ہوتے ہیں۔ یہ جبلتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیوانوں اور انسانوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ ولیم میگڈوگل نے اپنی کتاب (OUTLINEFOPSYCHOLQY) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ متلون مزاجی اور کسی چیز کے حصول کا اشتیاق، جنگ، ذاتی تذلیل وتعریف، جذبہ مادری و پدری اور جنس بنیادی جبلتیں ہیں اور شاہ صاحب کے نزدیک غضب، ہمت، انتقام، احساس خود اعتمادی، جذبہ برتری، معاشقہ، جنسیت سے وابستگی اور حسد بنیادی جبلتیں ہیں۔ جوں جوں یہ جبلتیں انسان کے امتیازی جواہر سے متاثر ہوتی ہیں، جذبات وعواطف کی صورت خیال کرلیتی ہیں جن پر قابو پانا یا ان کا صحیح استعمال کرنا انسانی کردار کی تشکیل کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

انسان کی امتیازی خصوصیات

انسانی اور حیوانی اعمال انہی جواہر اور جبلتوں کا مظہر ہیں لیکن وہ بنیادی چیزیں جو ایک انسانی عمل کو حیوانی اعمال سے ممتاز کرتی ہیں، شاہ صاحب کے خیال میں تین ہیں جنہیں امتیازی جواہر ثلثہ کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ حیوانی جبلتوں کی وجہ سے جو انسان میں بھی پائی جاتی ہیں، انسان اور حیوان دونوں اپنے اعمال میں مشترک ہیں لیکن وہ پہلی چیز جسے حد فاصل قرار دیا جاسکتا ہے، وہ رائے یا مقصدیت ہے۔ حیوان کے پیش نظر فوری منفعت کا حصول ہوتا ہے جسے شاہ صاحب ''رائے الجزئی'' کا نام دیتے ہیں، لیکن اس کے برعکس انسان دوری منفعت کے علاوہ دور رس نتائج و عواقب پر بھی نظر رکھتا ہے جسے شاہ صاحب ''الرائی الکلی'' کا نام دیتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کے بیان کردہ اخلاق فاضلہ ''الرائی الکلی'' کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> ''فالبهيميه تغضب لدفع ضر اوجلب نفع والانسان قد يغضب ليحصل بغضبه نظاما كاملا فى المدنية والبهيمية ان كانت تتعب نفسه ليحصل غرضًا والانسان قد يتعب نفسه ليحصل غرضًا اجلا اخرويا.'' (البدور البازغه ص ۲۸)
>
> ''حیوان کی ناراضگی یا غصہ نقصان سے بچنے یا فائدہ کے حصول کے لئے ہوتا ہے اور انسان اسے مدنی زندگی میں ایک اچھے نظام کی تشکیل کے لئے استعمال کرتا ہے۔ حیوان اپنے نفس کی بات محض اپنی فوری غرض کی تکمیل کے لئے مانتا ہے جبکہ انسان کے پیش نظر اخروی نتائج ہوتے ہیں۔''

شاہ صاحب کے نزدیک دوسری چیز جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے وہ ''ظرافتہ''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو اس کی طبیعت میں نفاست پسندی پیدا کرتی ہے جس سے وہ ہر چیز کو کثافت سے پاک اور لطافت سے قریب تر دیکھنا چاہتا ہے۔ تہذیبوں کے عروج اور کسی اچھے معاشرے کی تشکیل کے لئے یہ خوبی نہایت اہم کردار انجام دیتی ہے۔ چنانچہ انسان کے اس جوہر کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

"فالبهيمية مطمعها سد جوعها والانسان يزيد علىٰ ذلك تقربه عينه وتلتذ به نفسه من الحسن والبهاء." (البدور البازغه ص ۲۸)

"جانور کھانے سے صرف اپنی بھوک ختم کرنا چاہتا ہے لیکن انسان اس کھانے کی لطافت اور نفاست سے (دل اور آنکھوں سے) لطف اندوز ہوتا ہے۔"

تیسری حد فاصل جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے، شاہ صاحب کے نزدیک حصول تکمل ہے۔ حیوان جس ماحول میں رہتا ہے اسی پر قانع ہوتا ہے لیکن انسان کے تکمل کی یہ خواہش اسے مادی اور روحانی ترقیوں پر ابھارتی رہتی ہے جس سے نہ صرف اس کا کردار بلکہ معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"ان البهيمية انما علومها آلة لارتفاقها في معاشها فقط والانسان قد يعلم يريد ان يكتمل نفسه بالعلم." (البدور البازغه ص ۲۹)

"حیوانات کے علوم تو صرف ان کے معاش کی ترقی کے لئے ہوتے ہیں لیکن انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ اپنے نفس (کردار) کے لئے کرتا ہے۔"

اخلاق فاضلہ

رائی الکلی، ظرافت اور تکمل کو انسان کے اخلاق کی بنیاد قرار دے کر شاہ صاحب "اخلاق فاضلہ" کو بیان کرتے ہیں جنہیں وہ جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل سات حصوں میں بانٹ دیتے ہیں:

(۱) حکمت (۲) شجاعت (۳) عفت (۴) سماحت (۵) فصاحت یا فطانت (۶) دیانت یا ذکاوت (۷) السمت الصالح۔

شاہ صاحب کے نزدیک حکمت محض فلاسفہ کی آراء اور صوفیاء کے وجدان کا نام نہیں جیسا کہ فرماتے ہیں:

وليست الحكمة التي نقصد بيانها عندنا ما اختص به الصوفية ومن ضاهاهم من الوجد ان العميق من قبل التجلي المعتمد علىٰ نفوسهم او من قبل اعيانهم بل يهتدي به اصحاب الامزجة السليمة الىٰ معايشهم والىٰ علومهم الىٰ من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبل نسمتھم. (البدور البازغه)

یعنی حکومت سے مراد صوفیہ یا ان کے وجدان واعیان نہیں بلکہ اس سے مراد سلیم الطبع لوگوں کو ان کے معاش اور علوم میں ہدایت ہے۔

ایک دوسری جگہ حکمت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

وان العلوم کلھا اذا دخلہ الرائی الکلی التکمل بالاخلاق صار حکمۃ. (البدور البازغہ ص ۳۰)

اور جب علوم میں رائی الکلی اور تکمل داخل ہوجاتے ہیں تو وہ حکمت بن جاتے ہیں۔

شجاعت کا تعلق قوت غضبیہ سے ہے لیکن اس قوت کو ذاتی اغراض یا معاشرہ میں فساد پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا شاہ صاحب کے نزدیک شجاعت کے مفہوم کے قطعی منافی ہے۔ ''رائی الکلی'' کا دخل اس میں ہونا ان کے نزدیک ضروری ہے۔ لکھتے ہیں:

الغضب اذا دخل الرائی الکلی صار شجاعۃ.

جب غصہ کا اظہار رائی الکلی کی حدود میں رہ کر کیا جائے تو وہ شجاعت ہے۔

جنسیت کے بارے میں شاہ صاحب نہ تو لذتیت کے مادہ پرست نظریہ سے اتفاق کرتے ہیں اور نہ وہ رواتی جوگیوں اور راہبوں سے متفق ہیں۔ جنسیت کو وہ انسانی جلت کا اہم جزو مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک مخالف جنس سے وابستگی کے رجحانات بالکل فطری ہیں چنانچہ اس وابستگی میں ''رائی الکلی'' کو دخل ہونا چاہئے جسے عفت کہا جا سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

محبۃ النساء علی وصف الغلبۃ دون الانقیاد اذا بھا الرائی الکلی صارت عفۃ. (البدور البازغہ ص ۳۰-۳۱)

وقار اور وجاہت قائم رکھنے کے لئے غرور و فخر سے کام لیا جاتا ہے لیکن یہی آگے چل کر بسا اوقات ظلم و تعدی اور شیخی بگھارنے کا باعث بھی بنتے ہیں اس لئے شاہ صاحب کا خیال ہے کہ نہ تو اتنا گرا جائے جس سے انسانی وقار کو ٹھیس پہنچے اور نہ اس قدر افراط سے کام لیا جائے جس سے انسان یا تو شیخی خورہ محسوس ہونے لگے یا مغرور کہلائے، اس لئے ''سماحت'' سے ان کی مراد فخر مباہات کا انسانی وقار کے لئے ایسا استعمال ہے جو معاشرہ اور اخلاقی قدروں کی حدود میں رہ کر کیا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

التیہ والعجب اذا ھذبہ الرائی الکلی صار سماحۃ. (البدور البازغہ ص ۳۰)

فخر و مباہات کو جب رائی الکلی کی حدود میں رہ کر استعمال کیا جائے تو وہ سماحت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فصاحت و بلاغت کے سلسلے میں شاہ صاحب "رائی الکلی" کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ:

"ان الصوت الشدیدۃ اذا دخلہ الظرافۃ صار کلاما واذا دخلہ الرائی الکلی والتکمل صار فصاحۃ. (البلور البازغہ ص ۳۰)

یعنی جب آواز میں "ظرافت" (لطافت یا حسن) شامل ہوجاتا ہے تو کلام اور جب اس میں رائی الکلی اور تکمل کا شعور ہوتا ہے تو اسے فصاحت کہا جاتا ہے۔

دیانت اور السمتہ الصالح میں بھی آپ رائی الکلی کو نظر انداز نہیں فرماتے۔ انسانی قلب فہم اور شعور کو (دیانت، السمتہ الصالح) سے بہت گہرا تعلق ہے جس کی وجہ سے انسانی کردار میں ان کی اخلاقی صحیح نشوونما پر شاہ صاحب بہت زور دیتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ خیالات اور قلب پر کنٹرول ہی وہ بہترین طریقہ ہے جس کی بدولت انسانی کردار میں یہ دونوں اخلاق نمایاں نظر آتے ہیں۔

ان سات اخلاقِ فاضلہ کے علاوہ شاہ صاحب نے اخبات، السماحۃ، طہارت اور عدالت کے عنوان سے چار اور اخلاق پر بحث کی ہے جنہیں اخلاقِ عالیہ کہا جاسکتا ہے جو ان کی رائے میں بہت زیادہ روحانی لوگوں میں ہوتے ہیں۔

اخلاقِ فاضلہ کے اس اجمالی تذکرہ کا مقصد جہاں یہ تھا کہ بات عیاں ہوجائے کہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اخلاق کی بنیاد انسان کی وہ امتیازی خصوصیات (رائے الکلی، ظرافتہ اور تکمل) ہیں جنہیں اساس بنا کر وہ اپنے کردار کی بہترین تشکیل کرسکتا ہے۔

نیکی اور بدی کا تصور
(البر و الاثم)

یوں تو نیکی اور بدی کا کچھ نہ کچھ تصور علماء اخلاقیات بیان کرتے ہی آئے ہیں مگر جو چیز شاہ صاحب کو دیگر علماء سے ممتاز کرتی ہے، وہ آپ کا نیکی و بدی یا اچھائی اور برائی کا ایک جامع تصور ہے۔ آپ البر (نیکی) کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

فالبر کل عمل یفعلہ الانسان قضیۃ لانقیادہ للملاء الاعلیٰ واضمحلال فی تلقی الالھام من اللہ وصیرورتہ فانیا فی مواد الحق وکل عمل یجازی علیہ فی الدنیا والآخرۃ وکل عمل یصلح الارتفاقات التی بنی علیھا نظام الانسان وکل عمل یفید حالۃ الانقیاد ویدفع الحجب.

نیکی کی اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک نیکی ہر اس عمل کا نام ہے جو:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- ملاء الاعلیٰ کی اطاعت سے کیا جائے۔
۲- الہام الٰہی کو قبول کرتے ہوئے کیا جائے۔
۳- جس کی جزا دنیا اور آخرت دونوں میں ملے۔
۴- جس سے تدابیر نافعہ کی اصلاح ہو اور سوسائٹی ترقی کرے۔
۵- جو حجابات کو دور کرنے کا ذریعہ بنے۔

اس کے برعکس بدی یا اثم کی تعریف ان کے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو:

۱- شیطانی تحریک سے کیا جائے۔
۲- جس کی سزا دنیا اور آخرت میں ملے۔
۳- جس سے تدابیر نافعہ میں خرابی اور ابتری پیدا ہو۔
۴- جو متمردانہ ہو۔
۵- جس سے حجابات فطرت مستحکم ہو جائیں۔

گو کہ ملاء الاعلیٰ، جزا و سزا، ارتفاقات، حجابات بذاتِ خود مستقل موضوع ہیں جنہیں اس تعریف میں بیان کیا گیا ہے اور جن پر شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ پھر بھی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے انسان کی وجدانی، نفسیاتی، روحانی اور معاشرتی پہلوؤں کو نیکی کی اس تعریف میں سمو کر رکھ دیا۔

افکار و آراء

مساوات:

جب بھی انسانیت کی پشت پر ظلم و طغیان کے کوڑے برسے، اس نے ہمیشہ مساوات کے خواب دیکھے۔ صدیاں گزر گئیں اور اقوام عالم مساوات کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور انہیں یہ مساوات سوائے فلسفیوں کی تصانیف کے اور کہیں نظر نہ آئی۔ گویا مساوات ایک سراب ہے۔ جب بھی اس کے پاس پہنچو وہ نظروں سے روپوش ہو جاتی ہے۔ اسی دوران رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوتے ہیں۔ آپ اس خواب کو ایک حقیقت بنا دیتے ہیں۔ ایسی حقیقت جس نے تاریخ کا رخ بدل دیا اور پہلی دفعہ دنیا میں ایک معاشرہ معرض وجود میں آیا جو مساوات کے بارے میں باتیں کرنے کے بجائے اس پر عامل تھا۔ اگرچہ بعد میں اسلامی افق سے یہ درخشاں نور چھپ گیا لیکن وقتاً فوقتاً اسلامی تاریخ میں اس کی تھوڑی بہت شعائیں نظر آتی ہیں۔ اب یہ قصور اسلام کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا ہے جنہوں نے اپنے اسلام کو ضائع کر دیا اور ان کے ہاتھ سے عزت و احترام کے اسباب جاتے رہے۔ اس ضمن میں جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ ایک ایسا دین ہے جو ہمیشہ کے لئے ہے اور ایک ایسا سرچشمہ ہے جو کبھی خشک نہیں ہوگا۔ اگر ہم اس کی طرف لوٹیں گے تو اس کو اسی حالت میں پائیں گے جس میں کہ رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے تھے۔ یعنی ہماری روحوں کے لئے غذا ہے، ہماری قوت کا سرچشمہ ہے اور عدل و انصاف کی حقیقی اساس ہے۔ اس میں ظلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرورش نہیں پاسکتا، اس میں ایسے مساوات ہیں کہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور اگر ایک انسان کو دوسرے پر کوئی فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر۔ اسلام میں مساوات صرف تنگ مادی دائرے تک محدود نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے نفوس کو ہر قسم کی عبودیت و غلامی سے آزادی دیتا ہے۔ اس مساوات کا نقطہ آغاز ایک خدا پر ایمان لانا ہے جو سب کا پروردگار ہے اور وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے، وہی مارتا ہے، اس کے ہاتھ میں روزی ہے اور ہر چیز پر اسی کا اقتدار ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی اور واسطہ نہیں اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے۔ ہم سب اسی کے بندے ہیں خواہ ہم میں سے کوئی کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو۔

جب مسلمان اسلام کے اس عقیدے میں جو اساسی معانی میں مضمر ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے کمزور اور فانی وجود کو خدائے قادر و رحیم کی قدرت سے براہ راست مربوط یا محسوس کرتا ہے اور اس کے اندر بہادری اور احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو اسے یہ شعور بخشتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں معاشرے کے ہر فرد کے مساوی ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے چنانچہ جب مسلمانوں کے دلوں میں یہ عقیدہ گھر کر جاتا ہے تو پھر اسلامی معاشرہ اس مرحلے میں داخل ہوتا ہے جو حقیقی مساوات کا ہے۔ اس کے بعد ہی تشریعات اسلام بروئے کار آتی ہیں اور یہ اسلامی معاشرہ وہ امت بناتا ہے جسے قرآن مجید نے خیر امة اخرجت للناس کہا ہے۔ مساوات اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے اور غیر مسلم انصاف پسند مصنفین تک نے اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے۔ اس ضمن میں مشہور برطانوی مفکر تھامس کارلائل نے جو کچھ لکھا ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اس مساوات پر زور دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

یا ایها الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقٰکم.

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنادیا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی الا من امن وعمل صالحا فاولٰئک لهم جزاء الضعف بما عملوا وهم فی الغرفات آمنون.

اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ہمارا مقرب بنادے مگر ہاں! جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا دگنا صلہ ہے اور وہ بالا خانوں میں چین سے ہوں گے۔

غرض یہ اسلام تھا جس نے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنایا، ان کے دلوں کو متحد کیا، انہیں قانون کے سامنے اور معاشرے کے اندر مساوات دی اور اس امر کی وضاحت کی کہ انسان کا عمل ہی اس کی سفارش کرسکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: "وان لیس للانسان الا ما سعیٰ" اور یہ کہ "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ." (انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی) نیز (ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا)

کفالت اجتماعی:

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے سب سے پہلے کفالت اجتماعی کی دعوت دی اور اسے معاشرے کے لئے ضروری قرار دیا۔ اسلام نے حکومت پر فرض کیا کہ وہ اپنی سیاسی طاقت کے بل پر کفالت اجتماعی کو عملی جامہ پہنائے اور اپنے بیت المال سے اس کو مالی مدد دے لیکن افسوس! اسلام نے دنیا میں پہلی بار جس خواب کو حقیقت کر دکھایا جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین.

ہم ان لوگوں پر جو زمین میں کمزور تھے، احسان کرنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کو امام اور اس زمین کا وارث بنائیں۔

وہ دیرپا ثابت نہ ہوا اور اسلام کے بہت سے احکام بے اثر ہوکر رہ گئے۔ انہی میں سے کفالت اجتماعی کا اسلامی نظام بھی تھا۔ اب اس زمانے میں بہت سی متمدن حکومتیں کفالت اجتماعی کی داعی ہیں اور یہ چیزیں اس دور کا خصوصی شعار ہوگئی ہیں۔

کفالت اجتماعی کے سلسلے میں اسلام نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اس نے کام کرنے کو شرعاً واجب اور بے کاری کو حرام قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک محتاج اور معذور کے علاوہ دوسرے کے لئے بھیک مانگنا جرم ہے۔ ہر فرد کے کام کو واجب قرار دینے کے بعد اسلام کفالت اجتماعی کے ضمن میں دو عملی تدابیر پیش کرتا ہے۔ ایک یہ کہ خاندان پر فرد کی معاشی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور دوسرے اسلام نے صدقہ و احسان کرنے پر زور دیا ہے۔ اس کے بعد حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بیت المال سے محتاجوں کی مدد کرے۔

کفالت اجتماعی کا اصول رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ﷺ ہی کے عہد میں معین ہوگیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں تاکہ آپ سے اپنے یتیم بچوں کے لئے کچھ کہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم ان بچوں کے معاملے میں فقر و احتیاج سے خائف ہو؟ میں اس دنیا میں اور آخرت میں ان کا ولی اور ذمہ دار ہوں۔ آپ نے حضرت جعفر کی بیوی سے یہ بات اس بناء پر نہیں کی کہ وہ آپ کی قریبی عزیزہ تھیں۔ مگر آپ نے بہ حیثیت امام اور حاکم یہ فرمایا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے اس اصول کو عملی جامہ پہنایا۔ چنانچہ ان دونوں خلفاء نے کفالت اجتماعی کے ضمن میں جو کچھ کیا اس کی مثالیں تاریخ اسلام میں بکثرت موجود ہیں۔

کفالت اجتماعی کے قوانین کو مندرجہ ذیل تین خطرات سے جو بالعموم افراد معاشرہ کو پیش آتے ہیں، عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے:

۱- جسمانی خطرات جو افراد کو لاحق ہوتے ہیں اور انہیں کام کرنے کے قابل نہیں رہنے دیتے جیسے کہ بیماریاں، جسمانی معذوری اور بڑھاپا۔

۲- پیشہ ورانہ خطرات، وہ خطرات جو کام کرنے والوں کو اپنے کام کے سلسلے میں پیش آتے ہیں اور ان کی وجہ سے وہ جزوی یا کلی طور پر کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔

۳- غریبی و افلاس کے خطرات، ایک شخص کثیر العیال ہے اور اس کی آمدنی کم ہے۔

ان خطرات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسلام کیا تجویز کرتا ہے؟ اس کے لئے ہمیں غور و توجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھنا چاہئے جو انہوں نے اپنے مصر کے والی کو لکھا تھا۔ حضرت علیؓ نے لکھا:

> نچلے طبقے کا جس کا کوئی ذریعہ معاش نہیں، مسکینوں، محتاجوں، مصیبت زدوں اور جسمانی معذوروں کا خیال رکھو۔ ان طبقوں میں سے بعض تو سوال کر لیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں بغیر سوال دینا چاہئے۔ ان کے معاملے میں اللہ نے اپنے جس حق کا تمہیں ذمہ دار بنایا ہے اسے دور کرنے میں اللہ کو حاضر و ناظر جانو، ان کے لئے ایک تو اپنے بیت المال کا، دوسرے غنیمت کا حصہ مقرر کردو۔ اسلام کا عمل دخل پوری مملکت اسلامیہ میں ہے۔ جو مذکورہ بالا طبقوں میں سے دور دراز حصوں میں رہتے ہیں ان کے لئے بھی اتنے ہی حقوق ہیں جتنے قریب کے حصوں میں رہنے والوں کے، ان میں سے ہر ایک حق کو تمہیں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ تمہاری اپنی آسودہ حالی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حال مستی ان سے تمہیں غافل نہ کردے۔ اس بارے میں تمہاری ذرا سی کوتاہی بھی قابلِ معافی نہیں ہوگی خواہ تم ایک اہم اور بڑے کام کو اچھی طرح بھی کرلو۔ اس کے باوجود تمہاری توجہ ان لوگوں سے نہیں ہٹنی چاہئے ورنہ تم ان سے تکبر سے پیش آؤ گے۔ ان میں سے جو شخص تم تک نہیں پہنچ سکتا وہ نگاہوں میں نہیں جچتا اور لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں، اس کا خاص خیال رکھو جو فرمانبردار اور تواضع کرنے والے ہیں ان پر تمہیں اعتماد کرنا چاہئے۔ یتیم کنبوں اور چھوٹی عمر والوں، جن کے پاس نہ وسائل ہیں اور نہ وہ خود سوال کرسکتے ہیں، ان کی بڑی اچھی طرح دیکھ بھال کرو۔ بیشک والیوں پر یہ ذمہ داریاں بڑی گراں ہیں لیکن حق ہوتا ہی بڑا گراں ہے۔"

حضرت علیؓ کا اپنے والیٔ مصر کے نام یہ خط محض باتیں نہیں جو صفحہ قرطاس پر لکھ دی گئیں، بلکہ وہ نافذ ہونے والا قانون ہے جو ایک صاحب اقتدار حاکم اپنے ایک والی کے نام جاری کرتا ہے۔ اسے بروئے کار لایا جائے اور اس کی مدد سے کفالت اجتماعی کے ایک بہترین نظام کی طرح پڑے۔

اس اصول کی عملی تطبیق اور معاشرتی عدل و انصاف کے قیام، نیز افراد معاشرہ کو فقر و احتیاج سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں تاریخ اسلام میں جو مشکلات پیش آتی رہی ہیں، اب میں ان سے بحث کروں گا۔

فقر و احتیاج

اس بارے میں اس واقعہ کا ذکر کرنا کافی ہے جو حضرت عمرؓ کو ایک عورت کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ عورت زبردستی اپنے بچے کا دودھ چھڑا رہی تھی اور بچہ تھا کہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ اس نے جواب دیا (اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ حضرت عمر سے مخاطب ہے) کہ: عمرؓ دودھ پیتے بچے کو تو وظیفہ نہیں دیتے، میں اس لئے بچے کا دودھ چھڑا رہی ہوں کہ مجھے اس بچے کا وظیفہ ملے، اس سے میں اپنی احتیاج پوری کروں۔ یہ سن کر عمرؓ اپنے گھر لوٹے۔ انہوں نے نمازِ فجر ادا کی اور سلام پھیرنے کے بعد اپنے آپ سے کہنے لگے: اے عمر! تیرے لئے خرابی ہو معلوم نہیں تیرے اس حکم سے مسلمانوں کے کتنے بچے مرے ہیں؟ پھر انہوں نے منادی کرنے والے سے یہ منادی کرائی: "اے لوگو! اپنے بچوں کا دودھ جلد نہ چھڑاؤ، ہم نے ہر بچے کے لئے اس کے پیدا ہونے کے بعد سے ہی وظیفہ مقرر کردیا ہے۔"

ایک عورت کا واقعہ جو اپنے بھوکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچوں کو چولہے پر ہنڈیا رکھ کر جس میں خالی پانی اور صرف کنکریاں تھی، بہلا رہی تھی کہ عمرؓ وہاں پہنچے۔ تاریخ اسلام میں مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ خود بیت المال سے اس کے لئے غلہ لے کر گئے، خود بچوں کے لئے کھانا پکایا اور جب تک وہ کھا کر سیر نہیں ہوئے، وہ وہاں رہے۔

بڑھاپا اور بیماری

حضرت علیؓ نے والیٔ مصر کے نام جو ہدایات بھیجی تھیں، ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں ہم حضرت عمرؓ کی زندگی کی بعض اور مثالیں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک اندھے کو دیکھا کہ وہ راہ چلنے والوں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ انہیں معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ کس چیز نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے؟ اس نے کہا: جزیہ، احتیاج اور بڑھاپے نے۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے گئے اور اس کی ضرورت پوری کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المال کے خازن کو بلوایا اور اس سے کہا: ”یہ کتنی بری بات ہے۔ خدا کی قسم! ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ہم نے اس کی جوانی سے تو فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے ذلیل کر رہے ہیں۔ بیشک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں۔ (انما الصدقات للفقراء والمساکین) اور یہ شخص مساکین اہلِ کتاب میں سے ہے۔“ اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے بوڑھوں، بیماروں اور معذوروں سے جزیہ معاف کردیا تھا اور ان کے گزارے کے لئے بیت المال سے وظیفے مقرر کیئے تھے۔ غرض اس بارے میں حضرت عمرؓ نے ایک شاندار اصول وضع کیا جس کی رو سے عدل اجتماعی کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ رکھا گیا بلکہ اس میں تمام مسلم اہل وطن شامل تھے۔ اس کی ایک اور مثال حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ ہے کہ آپ شام جاتے ہوئے ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جنہیں کوڑھ تھا اور وہ عیسائی تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں صدقات دینے کا حکم دیا اور ان کا گزارہ مقرر کیا۔

ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کو رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ چپکے سے ان کے پیچھے ہولیے۔ حضرت عمرؓ ایک مکان میں داخل ہوئے اور پھر وہاں سے نکلے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت طلحہؓ اس مکان میں گئے اور وہاں ایک اندھی معذور بڑھیا دیکھی۔ حضرت طلحہؓ نے اس سے پوچھا کہ یہ کون شخص تمہارے پاس آتا ہے؟ اس بڑھیا نے کہا کہ یہ عرصہ سے میری دیکھ بھال کر رہا ہے۔ جس چیز کی مجھے ضرورت ہوتی ہے وہ لاکر دیتا ہے اور میری جو تکلیف ہوتی ہے وہ دور کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com